ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 6 No.1 2022

اردو مرثیے کے مطالعہ کی مابعد جدید جہات کا اطلاقی طریقِ کار

(APPLIED METHODOLOGY OF POST-MODERN ASPECTS OF THE STUDY OF URDU MARSIYA)

*سید ازور عباس

**پروفیسر ڈاکٹر محمد کامران

ABSTRACT:

In this article after clarifying the literal and terminological meaning of marsiya, a brief overview of the tradition of Urdu marsiya has been presented. So far, only historical, literary, cultural and religious study of Urdu marsiya has been done, whereas, now the criticism has progressed, like other genres, it is necessary to study marsiya according to the post-modern method of critique in order to re-evaluate marsiya. In the course of this study, new conclusions can be drawn by adopting the method of reading and understanding in the literature of post-modernism's features, neo-criticism, feminism, eco-criticism and post-colonialism. The details of all these possible outcomes are illustrated by the poetic examples of marsiya, which show that which method of post-modern study of Urdu marsiya is important, and how much will it strengthen the meaningful identity of Urdu critique and literature of marsiya. Also, it will be the first work of its kind.

Keywords: *criticism, post-modernism, post-colonialism, feminism, eco-criticism, neo-historicism*

اردو مرثیے کی ابتدا دکن سے ہوئی۔ دکن میں لکھے جانے والے مرثیے زیادہ تر غزل ہیت میں تھے۔ جنوبی ہند میں مرثیے مکی اثر بڑھانے کی خاطر سوز میں پڑھے جاتے۔ غزل کی ہیت ہونے کی وجہ سے ان مرثیوں میں واقعہ کربلا کا اظہار جزوی اور غیر مربوط انداز میں ہوتا۔ چنانچہ غزل اس دور کی تمام اصناف پر چھائی ہوئی تھی؛ اس لیے اردو مرثیے کے ابتدائی نمونے بھی غزل کے زیرِ اثر رہے۔ غزل کی ہیت میں مرثیے تخلیق کرنے والوں میں شیخ احمد شریف، محمد قلی قطب شاہ، وجہی، غواصی، عبد اللہ قطب شاہ، قطبی، عابد، فائز، محب، لطیف اور شاہی شامل ہیں۔ دکنی مرثیے کے مطالعے سے علم ہوتا ہے کہ ان شعرا کے نزدیک مرثیہ فنی کمالات کی پیش کش سے زیادہ گریہ وزاری اور عقیدت مندی کے جذبات کا شعری اظہار یہ رہا۔ سیدہ جعفر کی دکنی مرثیے پر رائے ہے :

> "دکنی شعرا مرثیہ نگاری کے لیے سوز و گداز، اثر آفرینی، طبعی مناسبت اور عقیدت مندی کو ضروری سمجھتے ہیں۔ دکنی شعرا کے یہاں یہ صنف گریہ و بکا کے مذہبی مقاصد کے تحت پیش کی جاتی تھی، شعری محاسن کے اظہار یا نمونہ و فن، استادانہ کمال کے مظاہرے اور عرضِ ہنر کی غرض سے نہیں" (۱)

شمالی ہند میں ابتدائی مرثیے فارسی زبان میں ملتے ہیں۔ فارسی زبان کی وجہ سے شمالی ہند میں مرثیے کی قرات اور سماعت کا دائرہ خواص تک محدود رہا۔ دکنی کے برعکس دہلی میں مرثیے تحت اللفظ پڑھے جاتے۔ یوں دکن کے مرثیے میں حزنیہ عناصر اور دہلی کے مرثیے میں اخلاقی بیانات وافر رہے۔ دکن اور دہلی دونوں مراکز میں سولہویں، سترویں اور اٹھارویں صدی تک مرثیہ، غزل، مربع، مخمس اور مثنوی ہیت میں لکھا جاتا رہا۔

---

* پی ایچ ڈی اردو اسکالر، اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

** صدرِ شعبہ اردو، اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 6 No.1 2022

مرثیہ کو شعری صنف سے زیادہ مذہبی شاعری تسلیم کرنے کی وجہ سے تنقید کا کم سامنا کرنا پڑا۔ شاعروں اور تذکرہ نگاروں نے اسے عقیدت بھری شاعری سمجھتے ہوئے شعری رموز و آلائم کی نظر سے کم ہی دیکھا۔ یوں کئی عام درجے کے شعرا مرثیے میں طبع آزمائی کرنے لگے تو "بگڑا شاعر مرثیہ نگار" کا مقولہ عام ہو گیا۔ ایسی صورتِ حال میں مرثیے کو فنی اور موضوعاتی سطح پر سودا نے بہتر بنانے کی کوشش کی۔ سب سے پہلے سودا نے "سبیل ہدایت" میں جہاں مرثیے کے اُصول و ضوابط متعین کیے وہیں عملی طور پر ایسے مرثیے بھی تخلیق کیے جن میں واقعاتِ کربلا کو بالترتیب بیان کیا گیا۔ یوں خلیق اور ضمیر سے پہلے سودا نے وہ میدان تیار کر دیا بعد میں انیس و دبیر جس کے فاتح ٹھہرے۔ دہلی میں کافی شعرا نے مرثیہ نگاری کی تاہم ادبی حوالے سے میر عبد اللہ مسکین، مرزا رفیع سودا، میر محمد تقی عرف گھاسی تقی، میر غلام حسین ضاحک، میر تقی میر، قیام الدین علی قائم اور محمد علی سکندر کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

انیسویں صدی مرثیے کے عروج کا دور ہے۔ انیسویں صدی میں انیس و دبیر نے مرثیے کو فنی اور موضوعاتی سطح پر کمال بخش دیا۔ واقعہ کربلا لکھنوی تہذیب اور روز مرہ کے ساتھ یوں بیان کیا گیا کہ یہ محسوس ہونے لگا کہ کربلا کا واقعہ عراق کی بجائے سرزمینِ لکھنو پر واقع ہوا ہو۔ یہ مرثیہ تاریخ، تہذیب، کرداروں، منظر کشی، مکالموں اور پس منظر کے لحاظ سے فن کا شاہکار نمونہ ہے۔ انیسویں صدی کا یہ اردو مرثیہ واقعاتِ کربلا کا بالترتیب اظہار اور مسدس ہیت کا عدیم المثال نمونہ بنا۔ انیس و دبیر کی مرثیہ نگاری کے ساتھ ہی مسدس ہیت مرثیے کے لیے مخصوص ہو کے رہ گئی۔

بیسویں صدی جدید مرثیے کا عہد ہے۔ اب مرثیہ محض واقعہ کربلا کی توضیح تک محدود نہ رہا بل کہ اس واقعہ کی روشنی میں انقلاب اور حریّت کو علامت کے طور پر برت کر مقاصدِ کربلا کو نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی۔ مزید بر آں کربلا کو عصری صورتِ حال کے زاویے سے دیکھ کر سماجی زبوں حالی کو دور کرنے کے لیے عمل اور کردار کی پختگی پر زور دیا گیا۔ یوں جدید مرثیہ انقلاب اور عملِ پیہم کا نمونہ بن گیا اور کربلا کی نئی شعری تفہیم سامنے آئی۔ اب کربلا محض ۶۱ ہجری کا سانحہ نہ رہا بل کہ عصری صورتِ حال کا سب سے بڑا استعارتی اور علامتی بیانیہ کے طور پر ظاہر ہوا۔ جدید مرثیے میں مزاحمت، استعمار کا ردِ عمل اسے انفرادی تشخص بخشتے ہیں۔ جدید مرثیہ نگاروں میں جوش ملیح آبادی، نسیم امروہی، سید آلِ رضا، علامہ طالب جوہری، ضمیر اختر نقوی، ڈاکٹر بلال نقوی، جوہر نظامی، ریحان اعظمی اور اختر عثمان اہم ہیں۔

دیکھا جائے تو اردو مرثیے کا تنقیدی مطالعہ ادبی، مذہبی، ہیتی، تاریخی اور تہذیبی حوالے سے خاصا ہو چکا ہے۔ یہ مطالعات جہاں مرثیے کے ہیتی، فنی اور موضوعاتی سفر سے زیادہ بحث کرتے ہیں وہیں تاریخی اور تہذیبی حوالے سے تائید و تردید کے زاویے بھی سامنے لاتے ہیں۔ مرثیے کی بیشتر تنقید اب تک انھی دائروں کے گرد گھومتی رہی۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں دیگر اصناف روایتی تنقید سے گزر کر جدید اور مابعد جدید مطالعات تک پہنچ گئیں اردو مرثیہ نہ پہنچ سکا۔ اگر یہ شخصیات مرثیے کے ابتدائی شعرا کے کلام کی تدوین پر بھی توجہ دلا دیتیں تو آج کئی شعرا کا کلام اجزا کی صورت میں منتشر نہ ہوتا۔ اُردُو مرثیے کی تدوین کے لحاظ سے بھی کافی کام ہو سکتا تھا۔ مرثیہ اپنے موضوع، فنی پیش کش اور تہذیبی پس منظر کے لحاظ سے جتنا ثروت مند ماحول رکھتا ہے وہ مابعد جدید تنقید کے زاویے سے تعینِ قدر کے قابل ہے۔ یہ ضروری ہے کہ اُردُو مرثیے کو نو تاریخی، تانیثی، ماحولیاتی اور مابعد نو آبادیاتی تناظرات میں دیکھ کر مرثیے کی روایتی تنقید کا رخ موڑا جائے۔ ایسا کرنے سے مرثیے کی نہ صرف نئی تفہیم سامنے آئے گی بل کہ مابعد جدید تنقید کے کامیاب نمونوں سے بھی اردو تنقید کا دامن وقیع ہو گا۔ اردو مرثیے کا مابعد جدید مطالعہ ذیل میں دیا گیا طریق کار اپنا کر بہ آسانی کیا جا سکتا ہے۔

مابعد جدید تھیوری اور مابعد جدید صورت حال میں فرق ہے۔ مابعد جدید تھیوری (نو تاریخیت، نسوانی تنقید، مابعد نو آبادیات، ثقافتی مادیت) کی مدد سے فن پارے کی تفہیم و توضیح تنقید کے جدید معیارات کی روشنی میں کی جاتی ہے۔ سو اُردُو مرثیے کا مابعد جدید مطالعہ مابعد جدید تھیوری کی روشنی میں ایسے ہی ممکن ہے جیسے دیگر اصناف کے جدید اور مابعد جدید مطالعات ہو رہے ہیں۔ مغرب میں مابعد جدید صورت حال مشرق کے منظر نامے سے مختلف ہے۔ سائنسی آلات، صارفیت، سرمایہ داری کی حد تک کوئی نہ کوئی اشتراق دیکھا جا سکتا ہے لیکن جو اجتماعی تصورات ہماری سائیکی کو ترتیب دیتے ہیں وہ بہر حال مختلف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اردو مرثیے کو مابعد جدید تھیوری کے تناظر میں دیکھ سکتے ہیں۔

مابعد جدید مطالعہ کے دوران مرکزیت کے خاتمے کا تصور ادب کے واحد معنی اور نظریے کی اجارہ داری کے برعکس نظر انداز شدہ اور متبادل معنیاتی سلسلے کا داعی ہو سکتا ہے۔ دوسرے معنوں میں اُردُو مرثیے کی اب تک ہونے والی ایسی تعینِ قدر جس میں کہیں نہ کہیں علاقائی، مسلکی و ادبی بیانیے کو مرکزیت حاصل رہی ہے۔ اُسے استدلال کے ساتھ ڈی کوڈ کیا جا سکتا ہے۔

اردو تنقید میں مابعد جدیدیت کے مباحث تین طرح سے ہوئے۔ اولاً، مابعد جدیدیت کو یکسر رد کر دیا جائے، ثانیاً، مابعد جدیدیت کو مکمل اپنا لیا جائے، ثالثاً، مابعد جدیدیت کے وہ تمام عناصر جو ہماری تہذیب اور ادب سے امتزاجی تعلق بنا پاتے ہیں، انھیں اختیار کر لیا جائے۔ پہلے دونوں رویے علمی اور نظریاتی طور پر جانبداری کے شکار ہیں۔ مرثیے کے مابعد جدید مطالعے کے دوران ہم پہلے دو تصورات کا مدلل رد کر کے تیسرے نوع کے مباحث کو مد نظر رکھ سکتے ہیں۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 6 No.1 2022

مابعد جدید تھیوریوں میں سے نو تاریخیت، تانیثیت، مابعد نو آبادیات اور ماحولیاتی تنقید کے مظاہر کو اس لیے منتخب کیا جاسکتا ہے کہ اردو مرثیے میں ان تنقیدی تصورات کے متعلقہ مواد وافر ہے، نیز اِس سے تھیوری کے نظریاتی جبر کا کوئی بھی تاثر قائم نہ ہو گا۔ اردو مرثیے میں پیش کی جانے والی تاریخ کا نو تاریخی مطالعہ، مرثیوں کے نسوانی کرداروں کی تانیثی قرات، مرثیے میں نو آبادکار اور استعمار کے خلاف ردِ عمل کا مابعد نو آبادیاتی مطالعہ اور مرثیے میں فطرت کی منظر کشی اور فطرت اور تہذیب کی ہم آہنگی کا ماحولیاتی مطالعہ یقینی طور پر مرثیے کی نئی تعمیر سامنے لا سکتا ہے۔

جدیدیت نے استعمار / نو آبادکار کے ہاتھوں مغربی تہذیب کو آفاقی قدروں کا حامل ٹھہرا کر ہماری تہذیب کی انفرادی حیثیت کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ مابعد جدیدیت نے ہر خطے کی تہذیب کو ترجیح دے کر کھویا ہوا مقام واپس دلانے کی سعی کی۔ اُردو مرثیہ ہماری ثقافت کا بھرپور اظہار یہ ہے۔ لہٰذا اُردو مرثیے کا مابعد جدید مطالعہ ہماری ثقافت کے انفرادی خدوخال اُبھارنے کے ساتھ ساتھ ہماری ثقافت کے خلاف اٹھائے جانے والے استعمار کے اقدامات کی بھی نشان دہی کر سکتے ہیں۔

تاریخ حقیقت کا انتخابی اور یادداشتی اظہار ہوتا ہے۔ بادشاہی نظام میں لکھی جانے والی تاریخیں ریاستی آئیڈیالوجی کی مظہر ہوتی ہیں۔ مزید برآں ان تاریخوں میں گزرے وقت کا مکمل اظہار یا نظر انداز شدہ حقائق یا طبقوں کی نمائندگی نہیں ہوتی۔ نو آبادیاتی دور میں بھی تاریخ کے اکہرے تصورات کو استعماری مفادات کی خاطر فروغ دیا جاتا ہے۔ دوسری طرف اُسی عہد کے ادب میں وقفوں اور علامتوں کے ذریعے نظر آنے والی تاریخ رائج تاریخ سے مختلف ہوتی ہے۔ یہاں ضرورت اس امر کی ہوتی ہے کہ تاریخ کے مخفی اور نظر انداز شدہ گوشوں کو منور کیا جائے۔ یہ قدم نو تاریخیت نے اٹھایا۔ اس نے فن اور تاریخ دونوں کی مدد سے جہاں تاریخ کے خلا کو پر کرنے کی کوشش کی وہیں اسے از سرِ نو تشکیل بخشی۔ مرثیے کا نو تاریخی مطالعہ ہمیں ایسی ہی نظر انداز شدہ تاریخ سے شناسائی بخشتا ہے۔ کربلا کی تاریخ (جو ہر مسلک کے زاویے سے لکھی گئی) اور اس تاریخ کا اُردو مرثیے میں شعری اظہار تاریخ سے فن پارے اور فن پارے سے تاریخ کے بیانیوں کو دیکھنے اور سمجھنے میں مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔ اس سے تاریخ کے ریاستی، مفاداتی اور غیر منطقی بیانات کی قلعی بھی کھل جائے گی۔ نو تاریخی زاویے سے انیس کا یہ بند دیکھیے :

یہ دشتِ ہولناک کہاں، یہ چمن کہاں

جنگل کہاں، بتول کے گل پیرہن کہاں

کنبہ کہاں نبی کا، یہ دارِ محن کہاں

قبریں کہاں شکستہ دلوں کی، وطن کہاں

آئے ہیں ڈھونڈتے ہوئے اِس ارضِ خاک کو

سچ ہے کہ خاک کھینچتی ہے اپنی خاک کو

پہلے چار مصرعوں میں یہ تاریخی شعور ملتا ہے کہ دنیا میں دو متضاد صفات ایک جا اکھٹی نہیں ہو سکتیں (ان مصرعوں میں حیرت، افسوس اور انقلابِ زمانہ کی غیر متوقع جھلک بھی ہے) لیکن یہ مجبوری کے طور پر اس لیے اکھٹی ہو رہی ہیں کہ امام عالی مقام نے از خود یہ قدم اٹھایا ہے۔ یہاں تاریخ کے اس بیانیے کی قلعی کھل جاتی ہے کہ امام عالی مقام نے کربلا سے ہندوستان جانے کی شرط رکھی تھی۔ امام خود قیام کے لیے روانہ ہوئے تھے اور انھیں یہ بخوبی شعور تھا کہ شہادت یقینی ہے۔ ایسی صورت میں امام میدان سے جانے کا کیسے ارادہ کر سکتے تھے؟ نیز یہ عام تہذیبی ترجیح بھی سامنے آتی ہے کہ انسان جہاں پیدا ہوا ہو اُسے وہیں دفن ہونے کی خواہش ہوتی ہے۔ چونکہ امام عالی مقام بڑی شخصیت تھے اور ان کی دور اندیشی کربلا کو اپنا مستقل مسکن تصور کر رہی تھی سو امام عالی مقام نے کربلا کو خود چنا۔ دیکھیے ایک بند سے تاریخ کے ایک غالب بیانیے کو کیسے ڈی کوڈ کر لیا گیا۔ پورے اُردو مرثیے کا نو تاریخی مطالعہ ایسے کئی نتائج کا حامل ہو گا۔

مرثیہ اصطلاحی طور پر ایسی نظم کا نام ہے جس میں کسی مرنے والے شخص کی تعریف و توصیف کی جائے اور اس کی وفات پر گہرے افسوس کا اظہار کیا جائے۔ تاہم جس قدر مرثیے امام حسینؑ اور اصحابِ حسینؑ کے بارے میں لکھے گئے ہیں تو یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ اگر کربلا کے موضوع پر لکھے گئے مرثیوں کو ہی مرثیہ مانا جائے اور دیگر اشخاص پر لکھی گئی ایسی شاعری کو نوحہ تسلیم کیا جائے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کی بھی یہی رائے ہے:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 6 No.1 2022

"اردو میں صنفِ مرثیہ ان نظموں سے مخصوص ہو گیا جن میں واقعاتِ کربلا کا الم ناک ذکر کیا گیا ہو۔ یہ مرثیہ مجلسِ عزا سے وابستہ ہو کر اپنی ارتقائی منازل سے گزرا۔ اس مرثیے کی بنیاد مجلسِ عزا ہے اور اس کا مقصد بھی وہی ہے جو مجلسِ عزا کا ہوتا ہے۔ آج ہم لفظ مرثیہ انھیں معنی میں استعمال کرتے ہیں، اس لیے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلی قسم (شخصی مرثیے) کے مرثیوں کے لیے لفظ نوحہ استعمال کیا جائے۔"(۲)

اردو مرثیے کی ابتدا دکن سے ہوئی۔ سولہویں، سترویں اور اٹھارویں صدی میں مرثیہ، غزل، مثنوی، سلام، مثلث اور مخمس وغیرہ کی شکل میں لکھا جاتا رہا۔ انیسویں صدی میں زیادہ تر مرثیے مسدس ہیت میں لکھے جانے لگے۔ انیس و دبیر کے شاہکار مرثیوں نے مسدس ہیت کو مرثیے کے لیے لازم و ملزوم ٹھہرا دیا۔ اردو مرثیے کا مابعد جدید مطالعہ کرتے ہوئے ابتدا تا انیس و دبیر ہر ہیت میں لکھے گئے مرثیوں کو موضوع تحقیق بنایا جائے اور بعد ازاں انیس و دبیر سے تاحال صرف وہی مرثیے شامل کیے جائیں گے جو مسدس ہیت میں ہوں تو مرثیے کا مابعد جدید مطالعہ معیاری ہو سکتا ہے۔

مابعد جدیدیت سے قبل بھی اردو مرثیے کا تاریخی، ثقافتی اور نسوانی کرداروں کے حوالے سے مطالعہ کیا گیا تو مابعد جدید مطالعہ کیوں؟ جواب یہ ہے کہ اردو مرثیے کا تاریخی، ثقافتی اور نسوانی مطالعہ تاریخ اور ثقافت کے روایتی اور مخصوص معنوں میں ہوتا آیا ہے۔ بیسویں صدی کے سائنسی، عمرانی، نفسیاتی، ادبی اور فلسفیانہ تصورات کی آمد نے رائج تصورات میں خاصی توسیع کر دی ہے۔ جہاں ہر شعبہ ہائے زندگی میں نئی ایجادات اور تصورات کی بو قلمونی ہوئی۔ وہیں ادب میں نئی اصناف اور تنقیدی رویے بھی سامنے آئے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ان مغربی تھیوریوں کا ہمارے مشرقی مزاج (ویسے یہ مشرقی اصطلاح کبھی استعمار کی وضع کردہ ہے، ہمارے خطے کو مشرقی استعمار نے اس لیے کہا تھا کہ ہندوستان برطانیہ کے مشرق میں واقع ہے) اور ادب سے کوئی انسلاک نہیں تو ناول، افسانہ، مضمون نویسی، سوانح عمری اور ڈراما بھی تو مغربی اصناف ہیں۔ نیز مارکسی، عمرانی اور نفسیاتی تنقید بھی تو مغرب سے مستعار ہے۔ ابتدا میں جہاں مارکسی اور نفسیاتی تنقید کے اطلاقی مطالعات میں کمی اور بعد ازاں فراوانی ہوئی۔ یہی کچھ مابعد جدید مطالعات کے حوالے سے بھی گمان کیا جا سکتا ہے۔ مابعد جدید مطالعات کے طریق کار پر ناصر عباس نیر کی رائے ہے:

" تمام مابعد جدید مطالعات متن کے سماجی، ثقافتی، سیاسی اور آئیڈیالوجیکل پہلوؤں کو سامنے لانے سے عبارت ہیں۔ تاہم یہ مطالعات سادہ نہیں ہیں۔ ان کے پس منظر میں تازہ لسانی، فلسفیانہ نظریات، تاریخ، ثقافت، سماجیات کی نئی بصیرتیں موجود ہیں "(۳)

جدیدیت نے انسان مرکزیت کا پرچار کیا۔ انسان مرکزیت سے یہ مراد ہے کہ انسان اس دنیا، فطرت کا مالک ہے۔ دنیا کی تمام چیزیں انسان پر قربان کی جا سکتی ہیں۔ اس اعلان کے تحت انسانی آسائشوں کی بھرمار نے فضائی آلودگی بھی پیدا کی۔ درختوں کی کٹائی کا عمل شروع ہوا۔ جغرافیائی تسلط کی خاطر جوہری ہتھیاروں نے زمین کا حقیقی حسن برباد کر دیا۔ فطرت کی جگہ انسانی تہذیب نے لے لی۔ ماحولیاتی تنقید فطرت کی بقا کا احساس دلاتی ہے۔ ادب اور شاعری کے ذریعے فطرت اور تہذیب کی ہم آہنگی پر زور دیتی ہے۔ ماحولیاتی تھیوری ادب کے علاوہ بھی دیگر اقدامات کے ذریعے ماحول اور فطرت کو لاحق خطرات سے نجات دلانے کی پیامبر ہے۔ اُردو مرثیے میں فطرت اپنے تمام تر کمالات اور جزوِ حیات کے طور پر جلوہ گر ہے۔ مرثیے میں محض فطرت کی عکاسی ہی نہیں بل کہ فطرت کی بقا اور اس سے ساری زندگی کے توازن کو برقرار رکھنے کی بامعنی کوشش نظر آتی ہے۔ بلبل، طیور، کوئل، گھوڑا، ہرن، شیر جیسے جانوروں کا تذکرہ انسانوں اور جانوروں کے مابین دائمی تعلق کو زندہ رکھنے کا اظہاریہ ہے۔ اُردو مرثیے کا ماحولیاتی مطالعہ فطرت کے حقیقی شعور کی یاد دلانے اور فطرت کو لاحق خطرات سے نمٹنے کے ساتھ ساتھ اردو مرثیے کو فطرت کی ترجمان صنف کے طور پر نمایاں کر سکتا ہے۔ مرثیے میں فطرت کی چند مثالیں دیکھیے جو ماحولیاتی مطالعے کی غماز ہیں:

فضلِ باری سے ہوا فصلِ بہاری کا نزول

غنچے چٹکے کہ شگفتہ ہوئی ہر طبعِ ملول

دل کو خوش آیا جو بلبل کے ترانوں کا اصول

وجد میں جھومے شجر کھلنے لگے لاکھوں پھول

لو بہار آئی کہ ہنگامِ جوانی آیا

باغ سرسبز ہوئے نہروں میں پانی آیا

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 6 No.1 2022

صورتِ تیغِ دو دو دم شاخ ہر اِک و متی ہے
دم بدم بادِ صبا چلتی ہے اور تھمتی ہے
اب بھلا عاشق و معشوق کی کیا کمتی ہے
بلبلوں کے ہیں پرے پھولوں کی صف جمتی ہے

لُطف اب موسمِ سرما کا یہاں اٹھتا ہے
اوس پڑتی ہے چمن میں کہ دھواں اٹھتا ہے
(پیارے صاحب خورشید)

یہ دو بند فطرت اور انسان کے لازم و ملزوم رشتے کے ترجمان ہیں۔

دکھا رہی تھی اُدھر خوبیاں سحر کی ضیا
کہ جس کی ضو سے کھِچی جاتی تھی قمر کی ضیا
وہ آبِ بحر کی ضو اور وہ دشت و در کی ضیا
ہر اِک چمن کا وہ جلوہ وہ ہر شجر کی ضیا
گلوں سے مل کے جو باہر نسیم آتی ہے
مشامِ جاں کو بسانے شمیم آتی ہے
(میر نفیس)

یہ بند فطرت کے انسانی زندگی پر احسانات اور حسِ جمال کو مہمیز بخشنے کا باعث ہیں۔

تانیثی تنقید "مرد مرکز" رجحان کی مخالف ہے۔ اس کے مطابق ادب میں عورت کا کردار اور اس کی تمام تر پیش کش مرد کی تفویض کردہ ہے۔ دوسرے لفظوں میں عورت کا کردار ادب میں اپنی ذاتی حیثیت نہیں رکھتا۔ اسے ہمیشہ مرد سے کم تر، ناقص دکھانے کے ساتھ اس کے حقوق کا استحصال کیا گیا ہے۔ اُردو مرثیے میں پیش کیے گئے نسوانی کردار خاندانی پہچان کے ساتھ انفرادی تشخص بھی رکھتے ہیں۔ یہ کردار اخلاق و اقدار کا مثالی نمونہ ہیں۔ مرثیے کے نسوانی کردار عورت کے اصل مقام و مرتبے کا احاطہ کرنے کے ساتھ ساتھ عورت کی مذہبی، خاندانی اور تہذیبی اہمیت سامنے لاتے ہیں۔ سو اُردو مرثیے کی تانیثی قرات مرد و عورت کے حقیقی رشتوں کی معرفت عطا کرتی ہے۔ یہاں عورت استحصال شدہ دوسرے درجے کا انسان نہیں۔ وہ معاشرے کی گاڑی کا معاون پہیہ ہے۔ ایسے کرداروں کا تانیثی مطالعہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ تانیثیت کا مشرقی پہلو سامنے لا کر یہ دکھایا جا سکے کہ ہمارے ادب بالخصوص مرثیے میں عورت کن اوصاف کی مالک ہے۔ وہ مرد کے برابر تو

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 6 No.1 2022

کئی معاملات میں مرد سے بڑھ کر بھی ہے۔اس کی حقیقی پہچان جو اسلام نے دی ہے وہ آج کی مغربی تانیثیت سے فزوں ہے۔ مرثیے کا تانیثی مطالعہ تانیثیت کا مشرقی چہرہ سامنے لانے کی کامیاب ترین کوشش ثابت ہو سکتی ہے۔ یہ بھی سچ ہے کہ کئی شاعروں نے نسوانی کرداروں کو ہندوستانی عورتوں کے اوصاف کا حامل بنا دیا ہے۔ ایسا شعری اثر بڑھانے کی شعوری کوشش ہے۔ تاہم مرثیے کی قرات سے یہ بخوبی علم ہو جاتا ہے کہ یہ نسوانی کردار اصل میں کیا تھے اور انھیں مرثیے میں ہندوستانی کردار بنا کر کیوں پیش کیا گیا؟ ایسی صورت میں مرثیے کا تانیثی مطالعہ سولہویں، سترویں اور اٹھارویں صدی کی بالعموم اور انیسویں اور بیسویں صدی کی عورت کے کردار اور مسائل کو بالخصوص سمجھنے میں کارگر ثابت ہو گا۔ مزید بر آں عربی عورت کے ہندوستانی روپ کی توجیہہ بھی سامنے آجاتی ہے۔ اس حوالے سے مسعود حسن رضوی ادیب کی رائے ہے :

> "انیس نے اشخاصِ مرثیہ کی جو سیرت دکھائی ہے وہ نہ خالص عربی ہے نہ بالکل ہندوستانی بلکہ دونوں کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس میں ہندوستانیت عربیت سے زیادہ نمایاں ہے۔ بعض لوگ اِس کو شاید قابلِ اعتراض سمجھیں لیکن اگر انیس یہ نہ کرتے تو نہ واقعہ کربلا کو خاص و عام میں یہ عظمت اور اہمیت حاصل ہوتی نہ امام حسینؑ اور ان کے رفیقوں کی محبت اس طرح ہر دل میں گھر کرتی، نہ اہل ہند ان کو قابلِ تقلید نمونہ قرار دے سکتے، اور نہ ان کے مصائب کو اپنی ذاتی مصیبتوں کی طرح محسوس کر سکتے۔ اور اگر یہ نہ ہوتا تو انیس کا مقصد بھی فوت ہو جاتا۔ ("۴)

نسوانی کردار حضرت زینب کا شہزادہ علی اکبر کو جنگ کے لیے وداع کرنے کا منظر دیکھیے :

سبھوں سے پوچھ لو موجود ساری گیتی ہے

کہیں بھی بیٹے کو ماں مرنے بھیج دیتی ہے

تمہاری وجہ سے سرسبز دل کی کھیتی ہے

نہ جاو پالنے والی بلائیں لیتی ہے

پھوپھی سے چھوٹ کے منہ آنسوؤں سے دھوو گے

نہ ہوں گے ہم تو بہت یاد کر کے روو گے

(صاحب پیارے رشید)

یہ بند ظاہر کر رہا ہے کہ ہماری تہذیب میں پھوپھی کے کردار کو نسوانی کرداروں میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ مرد باپ کی بہن ہے۔ اسے کسی کو سمجھانے، کچھ کرنے یا روکنے، مشورہ دینے کا مکمل حق حاصل ہے۔ شعری بند میں اس بیان کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ شہزادہ علی اکبر کو بی بی زینب نے ماں کی طرح پالا تھا۔

ہے بچنے کی رانڈ کا جینا بڑا ستم

جلدی نکل چکے کہیں کم بخت تن سے دم

صاحب کے چپ کے رہنے سے ہوتا ہے اور غم

تھامو ہمارے ہاتھ کو سر پیٹتے ہیں ہم

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 6 No.1 2022

سیدھی نہ وہ نظر نہ وہ گفت و شنید ہے

یہ بے رخی تمہاری وفا سے بعید ہے

(میر مونس)

یہ بند شہزادہ قاسم سے ان کی بیوی حضرت کبریٰ کے مکالمے پر مشتمل ہے۔ یہ بند ظاہر کر رہا ہے کہ مرثیے کے نسوانی کردار بیوی کے روپ میں اپنے مرد سے محبت کرنے کے باوجود گلے شکوے کا حق رکھتے ہیں۔ انھیں یہ آزادی حاصل ہے کہ مرد کا رویہ تبدیل ہونے کی وجہ معلوم کر سکیں اور دونوں مل کے زندگی کے معاملات کا حل تلاش کریں۔

مابعد جدیدیت کا بنیادی استدلال یہ ہے کہ زبان اور متن سازی کی رسمیات باہر کی حقیقت کو پیش کرتے ہوئے اس میں خاصی تبدیلیاں پیدا کر دیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دریدا نے زبان پر تقریر کو مقدم ٹھہرایا۔ اُردو مرثیے کے مابعد جدید مطالعہ سے یہ دیکھنے میں آسانی ہو سکتی ہے کہ کربلا کی تاریخ ہندوستانی ثقافت، ماحول اور کردار حقیقت میں کس نوع کے تھے اور شعری روپ میں ڈھل کر کیا تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ کیا یہ تبدیلیاں شعری ضرورت کے تحت سامنے آئی ہیں یا لکھاری کے لاشعور کا حصہ تھیں۔ نیز یہ بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ زبان (بالخصوص شعری زبان) حقیقت کا اظہار زبان میں رہتے ہوئے زبان سے کیسے کرتی ہے۔

استعماری اور نو آبادیاتی زاویے سے اردو مرثیے کا مطالعہ دیگر اصناف کے نو آبادیاتی مطالعات سے بالکل الگ طریقِ کار کا متقاضی ہے۔ ناول، افسانے اور شاعری کا مابعد نو آبادیاتی مطالعہ ہندوستانی پس منظر میں ہوتا ہے۔ یہاں یورپی استعمار کے بیانیوں اور اقدامات کو نشان زد کیا جاتا ہے۔ مرثیے میں ۶۱ ہجری کی استعماری حکومت کے اقدامات کا ردِ عمل، کوفہ اور مدینہ میں نو آبادکار گورنروں کی آمد کے مقامی باشندوں بالخصوص اہلبیت کے ماننے والوں پر اثرات، مظالم کی نوعیت کو آشکار کرنے کے علاوہ حکومتی بیانیوں کا واشگاف رد ملتا ہے۔ دوسری سطح پر برطانوی استعمار کے خلاف بھی اُردو مرثیے مزاحمت سے بھرپور ہیں۔ یہاں برطانوی نو آبادیات کا اصل چہرہ راست اور غیر راست انداز میں نظر آتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ مرثیے میں نو آبادکار کے اقدامات سیاسی اور انتظامی صورتِ حال کے علاوہ زیادہ مذہبی معاملات کو نشان زد کرتے ہیں۔ انیسویں اور بیسویں صدی کا مرثیہ بھی ایسے کئی بیانات کا والہانہ اظہار ہونے کے ساتھ غیر راست عالمی نو آبادیاتی نظام کے مفادات کو عیاں کرتا ہے :

اے قوم پھر وہی ہے تباہی کا زمانہ

اسلام پھر ہے تیر حوادث کا نشانہ

کیوں چپ ہے اُسی شان سے پھر چھیڑ ترانہ

تاریخ میں رہ جائے گا مردوں کا فسانہ

مٹتے ہوئے اس دیس کا پھر نام جلی ہو

لازم ہے کہ ہر فرد حسین ابنِ علی ہو

(جوش ملیح آبادی)

اردو ادب کے مابعد جدید مطالعات کے بارے یہ مقبولِ عام رویہ ملتا ہے کہ یہ مغربی نظریات کا مشرقی ادب پر بے سُود انطباق ہے۔ مزید یہ مطالعات ہمارے ثقافتی ڈھانچے کی شکست و ریخت کا باعث ہیں۔ دیکھا جائے تو یہ رویہ سراسر غیر علمی ہے۔ اول تو مابعد جدیدیت کوئی باقاعدہ نظریہ نہیں۔ یہ محض ایک فکری و ادبی مزاج ہے۔ دوسرا کوئی ثقافت اتنی نازک نہیں ہوتی کہ نئے نظریات کی آمد اُسے توڑ دے۔ ایسے نظریات اگر کسی ثقافت کے ہم مزاج نہیں ہوتے تو وہ از خود ہی دم توڑ دیتے ہیں۔ رہی بات مابعد جدید تنقیدی نظریات کی تو یہ ہمارے ادبی سرمائے کی کامیاب قرات سامنے لا

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 6 No.1 2022

رہے ہیں۔ ایسے میں "اردو مرثیے کا مابعد جدید مطالعہ "یقینی طور پر نئے معنی و مفہوم سامنے لانے میں کار گر ثابت ہو سکتا ہے۔ مابعد جدید تنقیدی رویوں کے حوالے سے پائے جانے والے شکوک و شبہات کو ڈاکٹر ناصر عباس نے یوں رفع کیا ہے:۔

"اس میں شک نہیں کہ مابعد جدید تنقیدی نظریات مغرب میں پیدا ہوئے مگر دیکھنے اور سوچنے والی بات یہ ہے کہ تنقیدی نظریات سے اُن کا ثقافتی پس منظر کس حد تک چپکا ہوتا ہے؟ یہ سوال اٹھانے کی ضرورت اس لیے پیش آئی ہے کہ ہمارے ہاں جب کبھی کسی نے تنقیدی نظریے کا شہرہ ہو رہا ہوتا ہے ہمیں اپنے ثقافتی بچاو کی فکر لاحق ہو جاتی ہے۔ کیا ہماری ثقافت اتنی نازک ہے کہ ذرا سے نئے خیال کی آنچ سے اس کے تڑخنے کا خطرہ ہو؟ اصل بات یہ ہے کہ ثقافت نازک نہیں، ثقافت سے متعلق ہمارے تصورات نازک ہیں اور شاید اس لیے نازک ہیں کہ یہ نو آبادیاتی نظام کی سختیاں جھیل کر پلے بڑھے ہیں۔ نئے نظریات پر بحث مباحثے سے ایک نفسیاتی خوف وابستہ کرنے میں ہمارے ترقی پسند دوست بھی شامل ہیں جو ہر عالمی اور تنقیدی نظریے کو (جسے مغرب نے پیش کیا ہو) مغربی سامراجی سازش کا حصہ قرار دیتے ہیں اور ان لوگوں کو اس سازش میں شریک کرنے میں ذرا نہیں جھجکتے جو نئے نظریات پر گفتگو کرتے ہیں۔ بہر کیف پہلے ذہن کو خوف سے آزاد کرنا اور ثقافت سے متعلق نام نہاد نازک مزاجی کو ترک کرنا ضروری ہے۔ کھلے دل اور کھلے ذہن کے ساتھ نئے نظریات کا مطالعہ اور تجزیہ کرنا چاہیے۔ اس کے بعد ہی یہ طے کیا جا سکتا ہے کہ یہ نظریات ہماری صورت حال کو سمجھنے یا بدلنے میں کس حد تک معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔ ویسے مابعد جدید مقامیت پر زور دیتی ہے۔ وہ ہر صورت حال کو منفرد، خصوصی اور مقامی قرار دیتی ہے۔ اسے سمجھنے کا کوئی مخصوص فارمولا نہیں دیتی۔ فارمولا سازی مابعد جدیدیت کی سرشت میں ہی نہیں۔ لہٰذا مابعد جدیدیت کو قبول کرنے کا مطلب کوئی مخصوص نظریاتی پیکج قبول کرنا اور اسے اپنی ثقافتی ادبی صورت حال پر مسلط کرنا نہیں بلکہ ایک مخصوص فکری مزاج کو قبول کرنا ہے جو کسی بھی ثقافتی مظہر اور متن کو کس انوکھے اور منفرد زاویے سے سمجھنے کی روش سے عبارت ہے۔"(۵)

مذکورہ بالا طریقِ کار کو اپنا کر اُردو مرثیے کے مابعد جدید مطالعہ کی جہات نمایاں کی جا سکتی ہیں اور اردو مرثیے کو بھی دیگر اصناف کی طرح تنقید کے مابعد جدید طریقوں سے معنوی سطح پر ثروت مند بنایا جا سکتا ہے۔ ایسا کرنے سے جہاں جدید اور مابعد جدید تنقید کے حوالے سے پائے جانے والے اطلاقی مسائل اور ابہام رفع ہوں گے وہیں ہماری اردو تنقید بھی جدید عالمی معیارات کی حامل ہو سکے گی اور ہمارا رثائی ادب بھی نئے تنقیدی تناظرات کے ساتھ زیرِ بحث رہے گا۔

حوالہ جات

۱۔ سیّدہ جعفر، پروفیسر، دکنی مرثیہ اور اس کا پس منظر، مشمولہ: اُردو مرثیہ، مرتب: شارب ردولوی، دہلی: اردو اکادمی، ۲۰۱۵ء

۲۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو (جلد چہارم) لاہور: مجلس ترقی ادب ۲۰۱۲، ص: ۵۴۲

۳۔ ناصر عباس نیر، ڈاکٹر، مرتب: مابعد جدیدیت (اطلاقی جہات) لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء، ص: ۹

۴۔ مسعود حسن رضوی ادیب، سید، روحِ انیس، جہلم: بک کارنر، ۲۰۱۵ء، ص: ۵۱

۵۔ ناصر عباس نیر، ڈاکٹر، مرتّب، مابعد جدیدیت (اطلاقی جہات)، ص: ۳۶۶